بحث ونظر

مولانا مفتی مختار اللہ حقانی *

قسط (۲)

عصر حاضر میں ثمن عرفی کیلئے معیار نصاب سونا ہے یا چاندی؟

۳۔ عن انسؓ قال ولانی عمر بن الخطاب الصدقات فامرنی ان آخذ من کل عشرین دینار نصف وما زاد فبلغ اربعة دنانیر ففیه درهم وان آخذ من مائتی درهم خمسة دراهم فما زاد فبلغ اربعین درهماً ففیه درهم. (کتاب الاموال لابی عبید. ص ۴۲۲ رقم ۱۱۶۷)

ترجمہ:- حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجھے صدقات لینے پر مامور کیا اور مجھے حکم دیا کہ میں ہر بیس دینار میں سے نصف دینار وصول کروں اور جب مزید چار دینار ہو جائیں تو ایک درھم ۔ اور دوسو درھم میں پانچ درہم وصول کروں اور جب مزید چالیس درہم ہو جائیں تو اس میں ایک درہم ۔

بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے: لیس فیما دون خمس اوقیة من الورق صدقة

ترجمہ: کہ چاندی کے پانچ اوقیہ سے کم میں کوئی صدقہ نہیں اوقیہ چاندی کے اس روپیہ (سکے) کو کہا جاتا ہے جو حکومت سے منظور شدہ ہو بغیر ضرب (مہر) والے کو اوقیہ نہیں کہا جاتا اور ایک اوقیہ چالیس درھم کے مجموع کو کہا جاتا ہے تو اس طرح ۴۰×۵=۲۰۰ دراھم بن جاتے ہیں لہذا چاندی کا نصاب قرآن وسنت کی صریح روایات اور اجماع کے مطابق ۲۰۰ دراھم ہیں ۔ لہذا جب کسی کے پاس ۲۰۰ درھم موجودہ حساب کے مطابق ساڑھے باون تولہ چاندی جمع ہو اور اس پر سال گذر جائے تو اس میں ۵ درھم زکوۃ دینا لازم ہے ۔

سونے کے نصاب کے بارے میں مذاہب

ان روایات کے پیش نظر سونے کا نصاب جمہور فقہاء ومحدثین کے نزدیک بیس مثقال یعنی بیس دینار ہیں ۔ امام حسن بصریؒ سے ایک روایت چالیس دینار کی بھی مروی ہے اور ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سونے کا نصاب ذاتی ہے جو کسی دوسرے نصاب کے تابع نہیں ۔ یہ جمہور کی رائے ہے البتہ امام طاؤسؒ اس بارے میں جمہور علماء کیساتھ اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں سونا چاندی کا تابع ہے یعنی سونے کے نصاب میں چاندی کی قیمت کا اعتبار ہوگا ۔

---

* مفتی ومدرس جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

لہذا جب سونے کی قیمت دوسو دراھم کو پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ (نیل الاوطار ۴/۱۳۱)

سونے کا مستقل نصاب ہے

مگر حقیقت یہ ہے کہ سونے کا نصاب مستقل ہے جمہور کی رائے (کہ سونے کا نصاب ذاتی ہے) کی تائید گزشتہ روایات سے بھی ہوتی ہے اور اس کے علاوہ امام ابوعبیدہ کی روایت کردہ حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

عن محمد بن عبدالرحمان الانصاری وھو تابعی ان فی کتاب رسول الله ﷺ و فی کتاب عمر فی الصدقة ان الذھب لا یوخذ منه شئی حتی یبلغ عشرین دینارا فاذا بلغ عشرین دینارا ففیه نصف دینار۔ (فقه الزکاة ۱/ ۲۵۰)

ترجمہ: محمد بن عبدالرحمان انصاری جن کا شمار جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمرؓ کے مکاتیب میں جو زکاۃ کے بارے میں ہے' لکھا ہوا ہے کہ سونے سے اسوقت تک زکاۃ وصول نہ کی جائے جبتک وہ بیس دینار تک نہ پہنچے اور جب بیس دینار ہو جائے تو نصف دینار زکوٰۃ میں دینا لازم ہو جائے گا۔ اسکے علاوہ بہت ساری احادیث اور آثار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین بھی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ سونے اور چاندی کے مقادیر منقولی ہیں کوئی کسی کا تابع نہیں اور اسی پر امت کا عملی اجماع ہے۔ چنانچہ علامہ یوسف قرضاوی لکھتے ہیں

وعلی ھذا التقدیر استقر الامرو استمر العمل بعد الخلیفة الراشد عمر بن عبدالعزیز ولم یحک بعد ذلک خلاف یذکر حتی حکی الائمة الاجماع العملی علی ھذا التقدیر۔ (فقه الزکاة ۱/ ۲۵۰)

ترجمہ: انہی مقادیر پر فیصلہ تھا اور خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد بھی اسی پر عمل ہوتا رہا کسی سے بھی کوئی خلاف منقول نہیں ہے بلکہ ائمہ کرام کا اسی پر اجماع عملی منعقد ہونا منقول ہے۔

امام مالکؒ کی رائے بھی جمہور کے مطابق ہے کہ سونے چاندی پر دونوں کا نصاب مستقل ہے کوئی کسی کا تابع نہیں انہوں نے تو اپنی رائے کی تائید کے لئے بطور دلیل اہل مدینہ کا تعامل پیش کیا ہے اس لئے ان کے ہاں اہل مدینہ کا تعامل ایک دلیل شرعی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

السنة التی لا اختلاف فیھا عندنا ان الزکاة تجب فی عشرین دینار عندنا کما تجب فی مائتی دراھم (موطا امام مالک ۲۴۶' باب الزکاۃ فی العین والورق)

ترجمہ: وہ طریقے جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں یہ ہے کہ سونے کے بیس دینار میں ہی زکوٰۃ واجب ہے۔ جس طرح دوسو دراھم میں واجب ہوتی ہے۔

اسی طرح علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں۔

اجمع اھل العلم علی ان فی مائتی درھم خمسة دراھم وعلی ان

الذهب اذا كان عشرين مثقالا و قيمته ما تا درهم ان الزكاة تجب فيه الاما اختلف فيه عن الحسن. و قال عامة الفقهاء نصاب الذهب عشرون مثقالا من غير اعتبار قيمتها. (المغنی ۳/۰۶)

ترجمہ: اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ چاندی کے دوسو دراہم اور سونے کے بیس مثقال جن کی قیمت دو دراہم ہے میں زکوٰۃ واجب ہے۔ عام فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ سونے کا نصاب بغیر چاندی کی قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے بیس مثقال ہے۔

گویا جمہور افقہاء کے نزدیک دونوں نصابوں کو مستقل اور مساوی حیثیت حاصل ہے۔ کوئی بھی دوسرے کے لئے معیار نہیں اور جہاں تک بعض علماء کی رائے کا تعلق ہے کہ چاندی سونے کے لئے بھی معیار ہے تو وہ شاذ اور مرجوح قول ہے۔ اور فقہ اسلامی میں شاذ قول کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا لہذا جس شخص کے پاس ۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی یا ۲/۱ ۷ سونا موجود ہو اس پر سال گزر جانے کے بعد زکوٰۃ واجب ہے۔

جملہ نصابات باعتبار مالیت ایک ہے:

اسلام کے نظام زکاۃ میں اگرچہ مختلف اشیاء کے مختلف نصابات مقرر ہیں جو اشیاء جنسیت کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ مثلاً سونے کا نصاب الگ ' چاندی کا الگ ' گائے' بھینس کا الگ اور بھیڑ' بکریوں کا الگ ابتداء اسلام میں ان سب کی قیمت اور مالیت میں یکسانیت پائی جاتی تھی۔ مثلاً اونٹوں کا نصاب لیا جائے' عرب معاشرہ میں اونٹوں کا کثرت سے رواج تھا' عرب لوگ اونٹوں سے مالی ' تجارتی اور دیگر فوائد حاصل کیا کرتے تھے' اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان میں زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے الگ نصاب مقرر کر کے فرمایا:

لا زكوة في اقل من خمس من الابل (الجامع الصحیح للبخاری ۱/۲۰۱)

''کہ پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں''

اسی طرح حضور ﷺ نے حضرت سالمؓ کو ایک مکتوب ارسال فرمایا تھا جس میں اونٹوں کے نصاب کے متعلق درج تھا:

و في خمس من الابل شاة (ابن ماجہ ص ۱۲۱) کہ پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہے' اونٹوں کا یہ نصاب اس زمانہ میں ۲۰۰ دراہم کے برابر تھا مشہور حنفی عالم دین علامہ سرخسی فرماتے ہیں و في ذلك الوقت و بنت المخاض باربعين درهما فايجاب الزكاة في خمس من الابل كايجاب الزكاة في مائتي درهم و ان ادنى الاسباب التي تجب فيها الزكاة من الابل بنت مخاض (مبسوط سرخسی ۲/۱۵۰ کتاب الزکاۃ)

اس زمانہ میں بنت مخاض چالیس درہم کا ہوتا تھا' پس پانچ اونٹوں میں ایجاب زکاۃ ایسا تھا جیسا دوسو دراہم میں زکوٰۃ کا وجوب۔ اسلئے کہ اونٹوں میں ادنی اسباب وجوب زکوٰۃ بنت مخاض ہے

اسی طرح علامہ عبدالقادر عودہ لکھتے ہیں:

کانت الدیۃ علی عهد رسول الله ﷺ مائة من الابل ' قیمة کل بعیر اوقیة (التشریع الجنائی الاسلامی ۲/ ۱۷۷) کہ آنحضرت ﷺ کے دور میں دیۃ میں سو اونٹ مقرر تھے اور ایک اونٹ کی قیمت ایک اوقیہ تھی یا اس سے چاندی کا اوقیہ چالیس دراہم کا ہوتا ہے: قال ابوجعفر الداودی اوقیة الذهب قدرها معلوم و اوقیة الفضة اربعون درهما۔ ابوجعفر فرماتے ہیں کہ سونے کے اوقیہ کی مقدار معلوم ہے اور چاندی کا اوقیہ چالیس درہم کا ہے۔ (شرح مسلم النووی ۲/۲۹)

بلکہ صحیح مسلم میں حضور ﷺ کا واضح عمل ہے:

عن جابر بن عبدالله انه کان یسیر علی جمل له ' قد اعیا فاراد ان یسیبه قال فلحقنی النبی ﷺ فدعا لی و ضربه فسار سیرا لم یسر مثله قال بعنیه بوقیه فقلت لا ' قال بعنیه بوقیة فبعته بوقیة الخ (الصحیح المسلم ۲/ ۲۹۲۸)

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ وہ اونٹ پر جا رہے تھے وہ تھک گیا تو انہوں نے اسے شتر آزاد کردینا چاہا۔ جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے آنحضرت ﷺ ملے' آپ ﷺ نے میرے لئے دعا فرمائی اور اونٹ کو مارا' چنانچہ وہ ایسا تیز چلا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں چلا تھا' آپ ﷺ نے فرمایا اسے میرے ہاتھ ایک اوقیہ (چاندی) میں بیچ ڈال' میں نے عرض کیا نہیں (یہ تو آپ ہی کا ہے) آپ ﷺ نے پھر فرمایا' بیچ دے میں نے اسے ایک اوقیہ میں بیچ دیا۔

ان تمام تر براہین سے معلوم ہوا کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں اونٹوں کا نصاب مالیت میں سونے' چاندی کے برابر تھا' اسی طرح بکریوں کے نصاب لیا جائے' شریعت مقدسہ نے بکریوں میں وجوب زکوۃ کے لئے چالیس بکریوں کی تعداد مقرر کی ہے' کہ جب کسی کے پاس چالیس بکریاں سائمہ جمع ہو جائے تو اس پر سال گزرنے کے بعد زکوۃ واجب ہے۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اذا کانت اربعین الی عشرین و مائة شاة (صحیح بخاری ۱/ ۱۹۶) کہ چالیس سے ۱۲۰ بکریوں میں ایک بکری زکوۃ واجب ہے اور جامع ترمذی میں حضور ﷺ کا فرمان ہے

و فی اربعین شاة شاة الی عشرین و مائة (جامع ترمذی ۱/۹۹) کہ چالیس سے ایک سو بیس بکریوں تک ایک بکری زکوۃ واجب ہے' مگر اس دور رسالت مآب ﷺ میں چالیس بکریوں کی قیمت ۲۰۰ درھم کے برابر تھی۔ چنانچہ علامہ سرخسی فرماتے:

فان الشاة تقوم بخمسة دراهم فی ذلک الوقت (مبسوط سرخسی ۲/۱۵۰)

کہ اس زمانے میں ایک بکری کی قیمت پانچ درہم تھی' اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کا شاہی مراسلہ بھی

اس بات کی دلیل ہے کہ اس زمانہ میں ۴۰ بکریوں کی مالیت ۲۰۰ درھم تھیں۔

یہ مکتوب آپؓ نے حضرت انسؓ کو زکوۃ کے متعلق لکھا تھا، مکتوب کے الفاظ یہ ہیں

ان انسا حدثه ان ابابکر کتب له فریضة الصدقة التی امر الله و رسوله من بلغت عنده من الابل صدقة الجذعة و لیست عنده جذعة و عنده حقة فانها تقبل منه الحقة و حلل معها شاتین ان استیرتاله او عشرین درهما و من بلغت عنده صدقة الحقة و لیست عنده الحقة و عنده الجذعة و یعطیه المصدق عشرین درهما او شاتین و من بلغت عنده صدقة الحقة و لیست عنده الا بنت لبون فانها تقبل منه بنت لبون و یعطی شاتین او عشرین درهما و من بالغت صدقته بنت لبون و عنده حقة فانها تقبل منه الحقة و یعطیه المصدق عشرین درهما او شاتین و من بلعت صدقة بنت لبون و لیست عنده و عنده بنت مخاض فانهما تقبل منه بنت مخاض و یعطی معها عشرین درهما او شاتین۔" (الصحیح البخاری ۱/۱۹۵)

"حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ ابوبکرؓ نے ان کے لئے فرض زکوۃ لکھ دی جس کا حکم اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو دیا یعنی جس کے پاس اتنے اونٹ ہو جائیں کہ چار برس کی اونٹی زکوۃ میں دینا پڑے (یعنی ۶۱ سے ۷۵ تک) اور چار برس کی اونٹنی اس کے پاس نہ ہو بلکہ تین برس کی ہو تو وہی لے لی جائے، اور اس کے ساتھ اگر بکریاں اس کے پاس ہوں تو دو بکریاں لے جائیں یا بیس درہم لئے جائیں اور جس کے پاس اتنے اونٹ ہوں کہ تین برس کی اونٹنی زکوۃ میں دینا ہو (۴۶ سے ۶۰ تک) اور اس کے پاس تین برس کی اونٹی نہ ہو، چار برس کی ہو تو وہی لے لی جائیگا ور زکوۃ کے تحصیلدار اس کو بیس درہم یا دو بکریاں دے دے اور جس کے پاس اتنے اونٹ ہوں کہ تین برس کی اونٹنی زکوۃ میں دینا ہو وہ اس کے پاس نہ ہو دو برس کی اونٹنی ہو تو وہی اس سے لے لی جائے اور وہ بیس درہم یا دو بکریاں اور تحصیلدار کو دے اور جس کے پاس اتنے اونٹ ہوں کہ دو برس کی اونٹی زکوۃ میں دینا ہو (۳۶ سے ۴۵ تک) لیکن اس کے پاس وہ نہ ہو، تین برس کی اونٹنی ہو تو وہی لے لی جائے، اور تحصیلدار اس کو بیس درہم یا دو بکریاں دے دے، اور جس کے پاس اتنے اونٹ ہوں کہ دو برس کی اونٹنی زکوۃ میں دینا ہو وہ اس کے پاس نہ ہو ایک برس کی اونٹنی ہو تو وہی لے لی جائے اور اس کے ساتھ تحصیلدار کو بیس درہم یا دو بکریاں اور دے۔"

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ بکریوں کے نصاب زکوۃ کی قیمت و مالیت دور رسالت ﷺ میں چاندی کے برابر تھی، اسی طرح کھجور و غلہ کا نصاب بھی اونٹوں اور بکریوں کے نصاب کی طرح ۲۰۰ دراہم یا بیس مثقال کے برابر تھا، چنانچہ علامہ سید سلیمان ندویؒ "سیرت النبی ﷺ" میں رقم طراز ہیں:

عہد رسالت مآب ﷺ میں ایک وسق غلہ کی قیمت چالیس دراہم یا چار مثقال تھی یعنی پانچ اوقیہ اور پانچ

دس کی قیمت دوسو درھم یا بیس مثقال ہوگی‘‘ (سیرت النبی ۱۲۲/۵)

گزشتہ تفصیل سے بات بالکل عیاں اور بے غبار ہوئی کہ دور رسالتؐ جملہ نصابات باعتبار مالیت کے یکساں تھے۔

اسلام میں زکوٰۃ امراء کے ذمے ہے:

اور اس کے ساتھ اسلامی نظام زکوٰۃ میں اس بات کا خصوصیت کے ساتھ خیال رکھا گیا ہے کہ یہ زکوٰۃ امراء پر لاگو ہو۔ غرباء اس فریضہ سے مستثنیٰ ہوں۔ تاکہ فلسفہ زکوٰۃ پر پوری طرح عمل ہو کر توازن پیدا ہو جائے۔ بخلاف شرائع من قبلنا کے کہ انکے ہاں امیر و فقیر کی کوئی تمیز نہ تھی۔ ہر ایک زکوٰۃ دیا کرتا تھا۔

چنانچہ علامہ شبلی نعمانیؒ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :

شرح زکوٰۃ کے تعین کے سلسلہ میں شرائع سابقہ میں ایک اور کمی تھی جس کو تکمیل محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت نے کردی‘ جن دوسری شریعتوں میں قانونی خیرات کی تعین ہے ان میں غریب اور کم اور زیادہ دولت والوں کی تفریق نہیں کی گئی تھی مثلاً اگر دس بیس روپے والوں یا دس پانچ گائے اور بکری والوں سے یہ زکوٰۃ وصول کی جاتی‘ تو ان پر ظلم ہوتا‘ تورات میں غلہ اور مویشی پر جو عشر اور نقد پر جو آدھا مثقال مقرر کیا گیا ہے‘ اس میں اس کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے بلکہ آدھے مثقال کی زکوٰۃ میں تو یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ ’’خداوند کیلئے نذر کرتے وقت آدھے مثقال سے امیر زیادہ نہ دے اور غریب کم نہ دے‘‘ (خروج‘ ۳۰۔۱۵)

لیکن شریعت محمدی نے اس نکتہ کو ملحوظ رکھا اور غریبوں‘ ناداروں‘ مقروضوں اور ان غلاموں کو جو سرمایہ نہیں رکھتے یا اپنی آزادی کیلئے سرمایہ جمع کررہے ہیں اس سے بالکل مستثنیٰ کردیا‘ نیز دولت کی کم مقدار رکھنے والوں پر بھی ان کی اپنی حسب خواہش اخلاقی خیرات کے علاوہ کوئی باقاعدہ زکوٰۃ عائد نہیں کی۔ (سیرۃ النبی ۱۲۱/۵)

موجودہ کرنسی میں زکوٰۃ :

سونے‘ چاندی اور دیگر اموال میں وجوب زکوٰۃ کا مسئلہ بیان ہوا مگر زمانہ حال کے روپیہ‘ ریال‘ ڈالر وغیرہ کرنسی کی تصریح قدیم فقہی ذخائر میں نہیں ہے اسکی وجہ غالباً یہ ہے اور یقیناً یہ ہے کہ اس قسم کا نظام پہلی جنگ عظیم کے بعد رائج ہوا ہے۔ قدیم زمانہ میں اس کا وجود نہیں تھا۔ اسلئے قدیم فقہاء کرام نے اس بارے میں کوئی تصریح نہیں فرمائی البتہ متاخرین نے اس میں زکوٰۃ کے وجوب پر بحث کی ہے۔ اس لئے کہ اب یہ کرنسی لوگوں کے ہاں مال بن چکا ہے لوگ اسی سے لین دین کرتے چلے آرہے ہیں۔ سارے تجارتی معاملات اسی کرنسی سے طے ہوتے ہیں بلکہ ہر معاملے میں اسی کا رواج ہے۔ آج کل تو اسی کرنسی کو سونے‘ چاندی کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے عرفاً یہ ثمن بن چکی ہے اسلئے مذاہب ثلاثہ (حنفیہ‘ شافعیہ اور مالکیہ) کے فقہاء اسمیں وجوب زکوٰۃ کا قول کرتے ہیں۔ علامہ وھبہ زحیلی لکھتے ہیں:

وبما ان هذا النظام ظهر حديثا بعد الحراب العالمية الاولى فلم يتكلم فيه فقهاءنا القدامى وقد بحث فقهاء العصر حكم زكاة هذه النقود الورقية فقرروا وجوب

الزكاة فيها عند جمهور الفقهاء (الحنفية' المالكية' و الشافعية) لأن هذا النقود أما بمثابة دين قوي على خزانة الدولة او سندات دين (الفقه الاسلامي و ادلته ۲ /۷۷۲)

ترجمہ: یہ جدید نظام پہلی جنگ عظیم کے بعد رائج ہوا ہے اس لئے اس بارے میں قدیم فقہاء نے کوئی بحث نہیں کی لیکن معاصر فقہاء نے ان نقود میں زکاۃ کے وجوب کا قول کیا ہے حتی کہ جمہور فقہاء (حنفیہ' شافعیہ اور مالکیہ) نے زکوٰۃ واجب ہونے پر اتفاق کیا ہے اس لئے کہ یہ نقود یا تو دین قوی کی طرح ہے جو حکومتی خزانہ میں پڑی ہے اور یا یہ اس سونے یا چاندی کی سندات ہیں۔ اور ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ واجب ہے۔ البتہ فقہاء حنابلہ اس میں وجوب زکوٰۃ کے قائل نہیں ان کا کہنا ہے کہ جب تک اس کو سونے یا چاندی سے تبدیل نہ کیا جائے۔ اس وقت تک ان نقود مین کوئی زکوٰۃ واجب نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

ولم یر اتباع المذهب الحنبلي الزكاة فيها حتى يتم صرفها فعلا بالمعدن النفيس (الذهب او الفضة) قياساً على قبض الدين۔ (الفقه الاسلامي و ادلته ۲ / ۷۷۲)

ترجمہ: البتہ فقہاء حنابلۃ موجودہ کرنسی میں وجوب زکوۃ کے قائل نہیں جب تک اسے سونے یا چاندی سے تبدیل نہ کرایا جائے' یہ فقہاء کرام اس کو قرض کے قبضہ ہونے پر قیاس کرتے ہیں۔

اور اسی طرح علامہ الجزائری نے بھی موجودہ کرنسی میں وجوب زکوۃ کے بارے میں چاروں مذاہب یوں ذکر کیا ہے۔

جمهور الفقهاء يرون وجوب الزكاة في الاوراق المالية لانها حلت محل الذهب و الفضة في التعامل .... اجمع فقهاء ثلاثة الائمة على وجوب الزكاة فيها و خالف الحنابلة فقط (كتاب الفقه على مذاهب الاربعة ۱ /۶۰۵)

ترجمہ: جمہور فقہاء موجودہ کرنسیوں میں وجوب زکوۃ کے قائل ہیں اس لئے کہ یہ سونے اور چاندی کے قائم مقام ہے۔ تین مذاہب کے فقہاء کا مروجہ کرنسی میں وجوب زکوۃ پر اتفاق ہے صرف حنابلہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

البتہ اس میں راجح اور صحیح جمہور فقہاء کی رائے ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ چنانچہ علامہ زحیلی لکھتے ہیں:

و الحق وجوب الزكاة فيها لانها اصبحت هي اثمان الاشياء و امتنع التعامل بالذهب ولم تسمع اي دولة باخذ الرصيد المقابل لاي فئة من اوراق التعامل و لا يصح قياس هذه النقود على الدين لان الدين لا ينتفع به صاحبه و هو الدائن ولم يوجب الفقهاء زكاته الا بعد قبضه لا حتمال عدم القبض و اما هذا النقود فينتفع بها حاملها فعلا كما ينتفع بالذهب الذي اعتبر ثمنا للاشياء و هو يحوزها فعلا فلا يصح القول بوجود اختلاف في زكاة هذه النقود و القول بعدم الزكاة فيها لاشك بانه اجتها

نخطئا لانه يودى فى النتيجة البينة ألا زكاة على اخطرو اهم نوع من اموال الزكا فيجب قطعا ان تزكى النقود الورقية زكاة الدين الحال على ملئى۔

(الفقه الاسلامی و ادلته ۲/۷۷۲)

ترجمہ: حق بات یہ ہے کہ اس میں زکاۃ واجب ہے اس لئے کہ یہ اشیاء (کرنسی) اثمان بن چکے ہیں' سونے چاندی سے معاملہ منقطع ہو چکا ہے اس لئے کسی ملک میں بھی یہ بات نہیں سنی گئی کہ کسی نے اسکے ساتھ معاملہ کرنے سے انکار کیا ہو اور اصل ثمن (سونا یا چاندی) کا مطالبہ کیا ہو اسلئے اس کو دین پر قیاس کرنا صحیح نہیں وجہ یہ ہے کہ دین سے دائن فائدہ حاصل نہیں کر سکتا اور نہ فقہاؒ نے قبضہ سے پہلے اس پر زکوٰۃ واجب کی ہے۔ اسلئے کہ اس میں عدم قبض کا احتمال ہے حالانکہ اس نقود سے حامل فائدہ بھی لیتا ہے جیسا کہ وہ سونے سے لیتا تھا جو اشیاء کے ثمن معتبر مانی جاتی تھی۔ اس کرنسی میں وجوب زکوٰۃ میں اختلاف کا قول کرنا صحیح نہیں۔ اور اسمیں شک نہیں کہ عدم وجوب زکوۃ کا قول اجتہاد اُخطا ہے۔

کرنسی میں کون سا نصاب معین ہوگا

جب مروجہ کرنسی میں زکوۃ واجب ہے تو اب اس میں کونسا نصاب معتبر ہے؟ تو قرآن وسنت یا اجماع امت میں اس کیلئے کوئی مستقل نصاب موجود نہیں ہے تو لازمی بات ہے اس لئے اس کا نصاب ذاتی نہیں بلکہ سونا چاندی میں سے کسی ایک کا تابع ہے۔ یعنی جب مروجہ کرنسی کسی کے پاس ½ ۵۲ تولہ چاندی یا ½ ۷ تولہ سونے کی قیمت و مالیت کے برابر ہو جائے تو اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گا۔

مگر اب سوال یہ ہے کہ موجودہ دور میں کون سا نصاب معیار بنایا جائے تا کہ اس کے مطابق کرنسی کی زکوۃ ادا کی جا سکے۔ تو اس بارے میں کتابوں کے اندر تین قسم کی آراء پائی جاتی ہیں۔

(۱) کہ موجودہ کرنسی کو چاندی کے نصاب زکوۃ پر پرکھا جائے اگر اس کی قیمت چاندی کے نصاب کی مقدار تک پہنچتی ہو تو زکوٰۃ واجب ورنہ نہیں یہ رائے اکثر علماء امت کی ہے اور آج تک دار الافتاؤں سے اسی پر فتوی چلا آ رہا ہے

(۲) دوسری رائے عرب محققین اور دوسرے علماء کی ہے کہ موجودہ دور کے متغیر حالات کے تناظر سے اس امر پر نگاہ ٹھہرتی ہے کہ مروجہ کرنسی کا نصاب سونے کے نصاب کی قیمت کے مطابق ہونا چاہیے ان میں امام ابوزھرہؒ شیخ وھبۃ زحیلی' شیخ یوسف قرضاوی' شیخ جاد الحق علی جاد الحقؒ وغیرہ حضرات شامل ہیں۔

(۳) تیسری رائے یہ ہے کہ تقویم عروض کے لئے زیادہ انسب واعدل طریقہ یہ ہوگا کہ چاندی اور سونے کے ہر دو نصاب (جن کی قدر زمانہ رسالت میں متحد تھی) جمع کر دیئے جائیں اور ثمن رائج الوقت سے ان کی مجموعی قیمت نکال کر اس نصف کو معیار نصاب قرار دیا جائے۔ (جدید فقہی مباحث ۸۱۲/۷)

اختلاف کی وجہ

یہ اختلاف اس لئے واقع ہوا ہے کہ ثمنین کے علاوہ دیگر اموال تجارت یا موجودہ دور کی کرنسی میں زکوٰۃ کیلئے کوئی ذاتی نصاب مقرر نہیں ہے بلکہ شریعت مقدسہ نے اس کو احد ثمنین کا تابع قرار دیا ہے کہ سونا یا چاندی کے نصاب پر اس کی قیمت لگائی جائے

اس لئے کہ اس میں زکوٰۃ مالیت کے اعتبار سے ہے نہ کہ اعیان کے اعتبار سے۔ تو قیمت بھی مالیت کے ساتھ لگائی جائے گی جو نقدین (سونا، چاندی) ہیں۔

تقویم میں مالک کو اختیار

البتہ اس تقویم میں صاحب مال مختار ہے کہ جس کے ساتھ چاہے قیمت لگائے۔ اس اختیار کی وضاحت کیلئے فقہاء کرام کے چند عبارات بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

شمس الائمہ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

قال في الكتاب و يقومها يوم حال الحول عليها ان شاء بالدراهم و ان شاء بالدنانير ...... وجه روايت الكتاب ان وجوب الزكوٰة في عروض التجارة باعتبار ما ليتها دون التقويم بمعرفة مقدار المالية و النقدان في ذالك (المالية) على السواء فكان الخيار الى صاحب المال بايهما شاء (مبسوط ج ۲ ص ۱۹۱)

جب مال تجارت پر ایک سال گزر جائے تو اسی دن اس کی قیمت چاندی یا سونے سے لگائی جائے گی۔

الکتاب کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ اموال تجارت میں زکوٰۃ کا وجوب مالیت کے اعتبار سے ہے اعیان کے اعتبار سے نہیں اس لئے اس کی قیمت بھی مالیت کی سی ہوگی جو نقدین ہیں مگر اس میں صاحب مال کو اختیار ہے کہ جس کے ساتھ چاہے قیمت لگائے۔

۲۔ شیخ عبدالرحمان الجزائریؒ حنفیہ کا مذہب نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تجب الزكوٰة في عروض التجارة بشروط منها ان تبلغ قيمتها نصابا من الذهب و الفضة و تقوم بالمضروبة منهما و له تقويمها باى النوعين شاء

(كتاب الفقه على المذاهب الاربعة ج ۱ ص۶۰۷) زكوٰة عروض التجارة

اموال تجارت میں شروط کے ساتھ زکوٰۃ دینی ہوگی۔

(۱) اس کی قیمت سونے یا چاندی تک پہنچ جائے

(۲) اس کی قیمت سرکاری دراہم اور دینار کے ساتھ قیمت لگائی جائے البتہ قیمت دونوں نقدین میں سے جس کے ساتھ چاہے لگائی جائے۔

(۳) علامہ نوویؒ فرماتے ہیں انه یقوم بما شاء منهما هو قول ابی اسحاق وهو الاظهر لانه لامزیة لاحدهما علی الآخر فخیر بینهما. (المجموع شرح مہذب ص۶۳ ج۶)

دونوں میں سے جس کے ساتھ چاہے قیمت لگائے یہ قول ابواسحاق کا ہے اور یہی اظہر ہے اس لئے کہ اس میں کسی ایک کو دوسرے پر کوئی ترجیح نہیں دی گئی ہے پس اس کو دونوں کا اختیار دیا گیا۔ آگے لکھتے ہیں:

اصحها عند المصنف والبندنیجی و آخرین من الاصحاب هو قول ابی اسحاق المروزی یتخیر المالک فیقوم بما شاء منهما لانه لا مزیة لا حدهما علی الاخر (المجموع شرح مہذب ۶/۶۶)

ان اقوال میں سب سے زیادہ صحیح قول مصنف، بندنیجی ابواسحاق المروزی اور دوسرے حضرات کا ہے کہ مالک کو اختیار ہے کہ وہ دونوں میں سے جس کے ساتھ چاہے قیمت لگائے اس لئے کہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر کوئی امتیاز نہیں ہے۔

۴۔ علامہ ابوبکر کاسانیؒ لکھتے ہیں، والنقدان فی ذالک بیان فکان الخیار الیٰ صاحب المال یقومه بایهما شاء؛ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۰)

نقدین (سونا اور چاندی) تو اس بارے میں مسئلہ واضح ہے باقی اختیار تو صاحب مال کے ہاتھوں میں ہے وہ جس کے ساتھ قیمت لگانا چاہے لگا سکتا ہے۔

(۵) علامہ ابوالبرکات النسفیؒ لکھتے ہیں وفی عروض تجارة بلغت نصاب ورق او ذهب کے علامہ عمر ابن نجیمؒ تحت لکھتے ہیں والمذکور فی الاصل ان المالک مخیر فی تقویمها بایهما شاء (النہر الفائق شرح کنز الدقائق ۱/۴۴۱)

تجارتی سامان جب سونے یا چاندی کے نصاب تک پہنچ جائے تو اس میں زکوۃ واجب ہے اس بارے میں اصول یہ ہے کہ مالک کو اختیار ہے تو وہ ان دونوں نصابوں میں سے جس کے ساتھ مناسب سمجھے قیمت لگائے۔

مذکورہ عبارات سے یہ مسئلہ واضح ہوا کہ اصل مذھب میں صاحب مال اپنے مالی تقویم میں مختار ہے وہ نقدین میں سے جس کے ساتھ چاہے اور جو مناسب سمجھے قیمت لگائے اور اسی حساب سے زکوۃ ادا کرے۔ اس پر کوئی پابندی نہیں اگر متاخرین کی کتابوں میں کسی ایک کو متعین کیا گیا ہو تو یہ تعین اجتہادی ہے اور اجتہادات وقتی تقاضوں سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

اختیار کی وجہ:

لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اختیار صاحب مال کو کیوں دیا گیا ہے اور کسی ایک کو متعین کیوں نہیں کیا گیا؟

تو جواب یہ ہے کہ یہ دونوں ثمن (سونا اور چاندی) خلقی ہیں اور عہد نبوی ﷺ میں ان دونوں کے ساتھ تجارت ہوا کرتی تھی اور دونوں نصابوں کی مالیت بھی برابر تھی۔

☆ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

فان الدینار علی عہد رسول اللّٰہ ﷺ مقوماً بعشر دراھم؛ (بدائع الصنائع ج۲ ص۱۸)

بیشک آپ ﷺ کے دور میں ایک دینار کی قیمت دس دراھم کے برابر تھی۔

☆ علامہ ابن رشد قرطبیؒ لکھتے ہیں:

ینزل الدینار بعشر دراھم علی ما کانت علیہ قدیماً (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۱۸۷)

کہ قدیم زمانہ میں ایک دینار دس دراھم کے برابر تھا۔

☆ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

الدینار فی الزکوٰۃ عشرۃ دراھم؛ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۵ ص ۱۲)

زکوٰۃ میں ایک دینار کی مالیت دس دراھم کے برابر ہے۔

☆ علامہ مرغینانیؒ فرماتے ہیں کہ

و لیس فیما دون اربعۃ مثاقیل صدقۃ عند ابی حنیفۃؒ و عندھما تجب بحساب ذلک و ھی مسئلۃ الکسور و کل دینار عشرۃ دراھم فی الشرع فیکون اربعۃ مثاقیل فی ھذا کاربعین درھماً؛ (الھدایۃ ج ۱ ص۱۷۵)

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چار مثاقیل سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں اور صاحبین کے نزدیک اسکے حساب سے واجب ہے یہ کسور کا مسئلہ ہے اور ہر دینار شرعاً دس دراھم کے برابر ہے تو گویا کہ چار مثاقیل چالیس دراھم کی طرح ہیں۔

☆ علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں:

و تقرر بعد ذلک کل دینار بعشر دراھم الاتری ان الدیۃ قد قررت من الذھب بالف دینار و من الورق بعشرۃ آلاف فی السرقۃ لا قطع فی اقل من دینار او عشرۃ دراھم؛ (البنایۃ ج ۳ ص ۴۹۱)

اس کے بعد یہ واضح ہوا کہ ایک دینار دس دراھم کے برابر ہے کیا آپ نہیں جانتے کہ دیت سونے کے حساب سے دیۃ ایک ہزار دینار اور چاندی کے حساب دس ہزار دراھم مقرر ہیں اسی طرح سرقہ یعنی چوری میں ایک دینار کے بدلے یا دس دراھم کے بدلے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

..................(جاری ہے)

Adarts-CAR-1/2000